نازیہ ملک
استادشعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز ، اسلام آباد

’آگ کا دریا‘ اور ’سدھارتھ‘: تقابلی مطالعہ

Nazia Malik

Department of Urdu,

National University of Modern Languages, Islamabad

"Aag ka Darya" and "Siddhartha":Comparative study

Aag ka Darya is a famous Novel of Qurat ul ain Haider.The story is based on the background of the long history of Buddha. Siddhartha is the creation of Harman Heyse. The main character of this novel represents life history of Buddha. For this novel Harman Heyse was awarded Nobel Prize in 1946.A comparative analysis of both novels has been discussed in this article.

’’سدھارتھ‘‘ پر بات کرنے سے قبل یہاں ہرمن ہیسے کے حالات کا مختصر جائزہ پیش ہے تا کہ ’’سدھارتھ‘‘ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

ہرمن ہیسے ۲ جولائی ۱۸۷۷ء کو جرمنی میں پیدا ہوئے۔ خاندانی طور پر وہ ایک راسخ العقیدہ مسیحی پس منظر کے حامل تھے۔ تاہم اپنے مذہبی سسٹم کے جبر کے سامنے انھیں مختلف صورتوں میں بغاوت کرنا پڑی۔ ۱۸۹۱ء میں وہ مذہبی تعلیم دینے والے سکول سے بھاگ گئے۔ ایک موقع پر انھوں نے خودکشی کرنے کی بھی کوشش کی۔ ان کے ابتدائی ناولوں میں ایسی بے چینی ملتی ہے جو کسی جستجو میں بھٹکنے جیسی ہے۔ ان کا مذہبی سسٹم اور ان کی سوسائٹی اس جستجو میں مزاحم ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

۱۹۱۲ء میں انھوں نے جرمنی کو خیر آباد کہہ دیا۔ انھوں نے تین شادیاں کیں۔ ازدواجی زندگی پرسکون اور خوشگوار نہ گزر سکی۔ شروع میں انھوں نے ایک عالم سے علاج کروایا۔ بعدازاں انھوں نے ژونگ سے اپنا نفسیاتی تجزیہ کرایا۔ یہ ۱۹۱۶ء کی بات ہے۔ دراصل اسی سال ان کے والد کی وفات ہوئی۔ اس کا بیٹا ایک شدید بیماری کا شکار ہوا اور بیوی پاگل ہوگئی۔ اسی سال انھیں ہمعصر دانشوروں کی بے حسی نے بھی گہرے بحران میں مبتلا کیا۔ ۱۹۲۲ء میں ان کا ناول سدھارتھ شائع ہوا اور ۱۹۲۳ء میں ہرمن ہیسے کو سوئس نیشنیلٹی مل گئی اور ۱۹۴۶ء میں ہیسے کو نوبل انعام دیا گیا۔ ان کی وفات ۹ اگست ۱۹۶۲ء کو ہوئی۔ اردو میں ’’سدھارتھ‘‘ کا ترجمہ آصف فرخی نے کیا۔

ناول ’’سدھارتھ‘‘ کی کہانی یوں ہے۔ سدھارتھ نامی ایک نوجوان برہمن گھرانے کا فرد ہے۔ اپنی مذہبی روایات

سے اکتاہٹ اور بیزاری محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے اندر جنم لینے والے سوالات کے جواب کی تلاش میں اپنے گھر کو خیر آباد کہہ دیتا ہے اور سادھوں کے ایک گروہ کے ساتھ چل پڑتا ہے۔ سادھوں کے ساتھ تین برس تک سدھارتھ نے بہت محنت کی اور ان ریاضتوں کے ثمرات کے طور پر اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ تین برس کے بعد اس نے گوتم کے بارے میں سنا اور پھر وہ گووند کے ساتھ گوتم سے ملنے کے لیے سادھوں سے الگ ہو جاتا ہے۔ گوتم بدھ سے ملاقات کافی ایمان افروز ثابت ہوتی ہے۔ گووند تو گوتم بدھ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن سدھارتھ گوتم کی عظمت اور روحانیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اپنی جستجو کو خود مکمل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ گوتم بدھ سے رخصت ہو کر ایک نئے سفر پر نکلتا ہے۔ اس کی ملاقات ایک ملاح واسودیو سے ہوتی ہے جو اسے دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچاتا ہے لیکن سدھارتھ ملاح سے معذرت کرتا ہے کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ دریا کے دوسرے کنارے سے وہ ایک نئے شہر میں داخل ہوتا ہے وہاں اس کی ملاقات ایک طوائف کملا سے ہوتی ہے جس سے اسے محبت ہو جاتی ہے۔ کملا کے توسط سے ہی وہ ایک کاروباری شخص کے ہاں ملازم ہو جاتا ہے اور آخر کار خود ایک بڑے کاروبار اور باغ کا مالک بن جاتا ہے۔ جنسی لذت آفرینی اور دنیاوی دولت حاصل کرنے کے بعد ایک دن بغیر کسی کو بتائے سب کچھ تیاگ کر شہر سے جنگل کی طرف نکل جاتا ہے۔ جنگل میں اس کی ملاقات اس کے بچپن کے دوست گووند سے ہوتی ہے۔ گووند اسے پہچان نہیں پاتا۔ جنگل سے پھر سدھارتھ اسی دریا کے کنارے پہنچتا ہے اور وہی ملاح واسودیو اسے ملتا ہے۔ اس بار بھی سدھارتھ کے پاس ملاح کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ملاح تعارف ہونے پر اسے اپنی جھونپڑی میں رہنے کی پیشکش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ جھونپڑی میں ہی رہنا شروع کر دیتا ہے۔

یہاں رہ کر وہ واسودیو کے ذریعے دریا کو سننے کے تجربے میں پختگی حاصل کرتا ہے۔ سدھارتھ کے تیاگ کی خبر پا کر کملا اپنا پیشہ چھوڑ دیتی ہے اور گوتم بدھ کی چیلی بن کر اپنا باغ اور ساری دولت گوتم بدھ کے مشن کو سونپ دیتی ہے۔ جب گوتم بدھ کے وقت آخر کی خبر پھیلتی ہے تو ہندوستان بھر سے ان کے شاگرد اور عقیدت مند ان کی آخری زیارت کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ کملا بھی اس مقصد کے تحت شہر سے نکلتی ہے۔ اس کا گیارہ سالہ بیٹا (جو دراصل سدھارتھ سے ہے) بھی اس کے ساتھ ہے۔ واسودیو کی کشتی کے قریب کملا کو سانپ ڈس لیتا ہے اور کملا مر جاتی ہے اور اپنا بیٹا سدھارتھ کے حوالے کر جاتی ہے۔ کملا کی موت کے بعد سدھارتھ کا بیٹا اس سے باغی ہو کر فرار ہو جاتا ہے۔ سدھارتھ اسے بہت تلاش کرتا ہے مگر ناکام ہو جاتا ہے۔ واسودیو اسے پھر اپنی جھونپڑی میں لے آتا ہے۔ دریا کے کنارے ایک مرتبہ پھر سدھارتھ کی ملاقات گووند سے ہوتی ہے اور گووند اسے پھر پہچان نہیں پاتا۔ گووند سدھارتھ کے وقت آخر میں سدھارتھ کے چہرے پر گیان کی روشنی دیکھتا ہے جو اس کی مسکراہٹ سے پھوٹ رہی ہوتی ہے اور جس میں زندگی کے سارے رنگ یکجا ہوتے ہیں۔

> ''اس کے چہرے پر علم کا اطمینان دمکتا، اس شخص کا اطمینان جو خواہشات کے تصادم کا شکار نہیں ہے۔ جسے مُکتی مل گئی ہے، جو واقعات کے بہاؤ، جیون دھارا سے ہم آہنگ ہے۔ دردمندی اور مہربانی سے بھر گیا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اس بہاؤ پر چھوڑ دیا ہے اور اب تمام اشیاء کی یکتائی میں شامل ہو گیا ہے۔ سدھارتھ نے جانا کہ زندگی کو اس کی اصل شکل میں قبول کرنا ہی تکمیل ہے۔ راہبانیت، دنیا کو ترک کرنا، آتما کو پانے کے لیے نفس کشی، فرار ہے، سراب ہے۔ سب کو مل کر دیکھنا، دنیا کو اس کے بہاؤ، رنگ اور اصل شکل میں قبول کرنا ''اوم'' ہے۔''(۱)

قرۃ العین حیدر ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ زندگی کا ابتدائی حصہ پورٹ بلیئر اور مشرق قریب میں گزارا۔ از بلا تھوبرن کالج اور لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ اس دوران انھیں آرٹ اور مطالعہ کا بے حد شوق ہو گیا تھا۔

قرۃ العین حیدر نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۴ء میں افسانے لکھ کر کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ناول نگاری کی طرف بھی رُخ کیا اور کئی ناول لکھ کر ادبی دنیا میں نام پیدا کیا۔ قرۃ العین حیدر نے ۱۹۵۶ء میں قیام پاکستان کے دوران اپنا معروف ناول ''آگ کا دریا'' لکھا۔ یہ ان کا تیسرا ناول ہے۔ اس ناول کی اشاعت کے بعد ان کے سامنے اعتراضات اور مخالفتوں کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور انھیں مجبوراً انڈیا ہجرت کرنی پڑی۔

''آگ کا دریا'' ایک ضخیم ناول ہے۔ اس ناول میں ہندوستان کی ڈھائی ہزار سال پرانی تہذیب وثقافت کو پیش کیا گیا ہے۔ اس ناول کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ناول کا پہلا حصہ ویدک عہد سے شروع ہو کر موریہ خاندان کے دور حکومت تک ہے۔ اس کا آغاز ویدک کال سے کیا گیا ہے۔ ویدک کا لفظ ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید سے لیا گیا ہے۔ جو فلسفیانہ فکر کی نشاندہی کرتی ہے۔ پہلے زمانے میں طلبا ویدک کا مطالعہ کرتے تھے اور اپنے استادوں سے مختلف معاملات پر اظہار خیال کرتے تھے۔ اس حصے کا مرکزی کردار گوتم ہے۔ گوتم ایک برہمن لڑکا ہے جو ہندوؤں میں سب سے اونچی ذات سمجھی جاتی ہے۔ اس کا باپ کوسل کال ہندو مندر کا رکھوالا ہے۔ گوتم فلسفے کا طالب علم ہے وہ اس بات پر پریشان ہے کہ ایک اکیلا انسان ہے اور اس کے سامنے باسٹھ فلسفے ہیں وہ کسے اپنائے اور کسے رد کرے؟

''باسٹھ مختلف نظریے اور زندگی ایک ہے۔ اور انسان تنہا ہے۔''(۲)

وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مکتب میں اپنے اساتذہ سے بحث کرتا ہے۔ جہاں اسے شک پرست، دہریئے، منطقی، ماہرین کلام، آراء اور اشیاء کی اضافیت ثابت کرنے والے اور دیگر فلسفوں کے ماننے والے ملتے ہیں۔ وہ ان سے گفتگو کرتا ہے اور اپنی سوچوں میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کی شخصیت میں جدت اور مذہبی اختلاف کا ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ گوتم شراوستی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ وہاں ہندومت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک دن دریا کے کنارے گوتم کی ملاقات چمپک اور نرملا نامی دو دوشیزاؤں سے ہوتی ہے۔ گوتم چمپک سے بے حد متاثر ہوتا ہے مگر اس کے دھرم میں کسی لڑکے کے بارے میں سوچنا بھی درست نہیں جبکہ اس کے دل و دماغ کو چمپک نے متاثر کر رکھا تھا۔ وہ اس کی تصویر بناتا ہے اس کے بارے میں اشعار تحریر کرتا ہے۔

اشرم شہر میں گوتم کی ملاقات ہری شنکر سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی فلسفیانہ باتوں سے اس کی سوچ میں تبدیلی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اسی دوران شراوستی گپتا موریہ کا حملہ ہوتا ہے۔ جنگ کے دوران گوتم اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ چمپک اپنے گھر والوں کے ساتھ کسی اور شہر روانہ ہو جاتی ہے۔ چمپک کی شادی پچاس سالہ فوجی سے ہو جاتی ہے وہ بڑا بدصورت اور عیار شخص ہے۔ چمپک ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے۔ وہ بڑے ٹھاٹھ سے امیر عورتوں کی طرح زندگی گزار رہی ہے۔ گوتم اپنی انگلیاں ضائع ہونے کے بعد بہت پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کو چمپک کی یاد ستاتی ہے۔ ایک دن گوتم کی ملاقات تھیٹر میں کام کرنے والی عورت سے ہوتی ہے۔ وہ گوتم کو اپنے تھیٹر میں کام کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ گوتم اس کی پیشکش فوری طور پر قبول کر لیتا ہے۔ ایک دن جب گوتم اسٹیج پر کام کر رہا تھا تو اس کی نظر سامعین میں بیٹھی ہوئی چمپک پر پڑتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ اگلے دن چمپک خط لکھ کر گوتم سے ملنے کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن گوتم یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہے کہ ایک پتی ورعورت کے لیے مرد سائے کی مانند ہوتا ہے۔ مصنفہ نے ابتدائی حصے کے اختتام پر یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی سماج میں عورت کے مقام کا تعین کس طرح کیا جاتا ہے۔ پہلے حصے میں ایک تہذیب، ایک عقیدے اور ہندوؤں کے وقار و عصمت کے تصور کو اپنے دامن میں سمیٹ کر بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

ناول کے دوسرے حصے میں اس عہد کو پیش کیا گیا ہے جب افغان قوم ہندوستان آتی ہے۔ وہ ہندوستان کی مغربی

سرحدوں سے اندر داخل ہوتی ہے۔ان میں ابوالمنصور کمال بھی ہے۔جو عربی زبان کا نثر نگار ہے۔وہ لائبریریوں سے استفادہ کر کے قدیم تاریخ پر تحقیق کرتا ہے۔اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور نامور شخصیات سے ملاقات کرتا ہے۔سنسکرت، پالی اور پراکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرتا ہے۔مسلمانوں کی آمد سے برصغیر میں صوفیانہ تعلیمات کا آغاز ہو جاتا ہے۔جن کی بدولت ہندو بڑے متاثر ہو جاتے ہیں۔ادھر بھگت کبیر سے بھی بہت سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔مذہبی فرق کے باوجود مشترکہ ہندوستانی کلچر میں ہر طرف بھائی چارے کی فضا قائم تھی۔ابوالمنصور کمال کی ملاقات پنڈت کی لڑکی چمپا سے ہوتی ہے۔دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔کمال اور چمپا ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے قرب کے خواہشمند ہیں۔اسی دوران جنگ چھڑ جاتی ہے اور دونوں ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتے ہیں۔کمال چمپا کے پیار میں بھگت بن جاتا ہے اور درویشوں میں وقت بسر کرنے لگتا ہے۔اس کے بعد بنگال میں جا کر کھیتی باڑی کرتا ہے اور وہاں ہی رہائش پذیر ہو جاتا ہے۔

ناول کا تیسرا حصہ لکھنؤ اور فیض آباد کی تہذیب اور ثقافت پر مشتمل ہے۔مصنفہ کا اپنا تعلق بھی لکھنؤ سے تھا۔اس لیے انھوں نے اس شہر اور تہذیب کی بڑے اچھے انداز میں عکاسی کی ہے۔اس زمانے میں گوتم بنگال سے واپس آ کر ہندو ثقافت کا علمبردار بنتا ہے۔اسے سرال کا گورنر بنا دیا جاتا ہے۔لکھنؤ پہنچ کر وہ ایک طوائف چمپا بائی سے محبت کر بیٹھتا ہے۔جو ہمیشہ کی طرح ناکام رہتی ہے۔دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں۔لیکن گوتم کو اسی وقت بنگال بھیج دیا جاتا ہے۔کچھ عرصے بعد جب گوتم دوبارہ لکھنؤ واپس آتا ہے تو چمپا کو سڑکوں پر بھیک مانگتے دیکھتا ہے۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد وہ برٹش انڈیا ایمپئر میں ملازم ہو جاتا ہے۔کمال کرنان شہر کا نواب بن جاتا ہے۔گوتم کو پروفیسر کا درجہ مل جاتا ہے وہ پروفیسر نیلمبر کہلاتا ہے۔گوتم سدا کا دانشور ہے۔وہ وقت کے بارے میں کنفیوژن کا شکار ہے۔وہ کمال سے پوچھتا ہے۔

''تم وقت کی ہلاکت خیزی کے قائل ہو؟''

''ہاں''

''سورج ندی میں ڈوب رہا تھا اور چھتر منزل کے سنہری گنبد کرنوں میں نارنجی نظر آ رہے تھے۔سامنے لہروں پر سے ایک کشتی سکون سے گزر گئی۔''

''تم علامتوں کی رمزیت کے قائل ہو'' ''معاً گوتم نے کمال سے پوچھا۔''

''یہ سامنے جو ناؤ جا رہی ہے۔یہ بڑی رمزیت کی حاصل ہے۔گوتم معمولی سی بات کو بیحد ڈرامائی اور فلسفیانہ رنگ میں ادا کرتا تھا۔''(۳)

گوتم بات آگے بڑھاتے ہوئے بڑی اچھی بات کہتا ہے جو اس ناول کے عنوان ''آگ کے دریا'' کی معنویت کو ظاہر کرتی ہے۔

''وقت بہتا ہوا دریا ہے۔''(۴)

ناول کا آخری حصہ ہندوستان کی تاریخ کے اہم موڑ کا عکاس ہے۔جس میں کمال اور پروفیسر نیلمبر کے بچوں کا ذکر ہے۔وہ باشعور، ذہین اور سمجھدار ہے۔ان میں گوتم، کمال، ہری شنکر، چمپا، طلعت، نرملا، سرل آسلے، عامر اور ساجدہ وغیرہ ہیں۔یہ سب انقلابی اور جذباتی کردار ہیں۔جس سے ان کے سیاسی رجحانات کی نشاندہی ہوتی ہے۔لیکن ان کی زندگیوں پر ابوالمنصور کمال اور گوتم کی تعلیمات کا اثر دکھائی دیتا ہے۔جوں ۱۹۴۷ء میں تقسیم کا اعلان ہو جاتا ہے۔گوتم کو روس میں ہندوستانی سفارت کار مقرر کر دیا جاتا ہے۔بھیا صاحب (عامر رضا) پاکستان آ جاتے ہیں۔کمال تذبذب کا شکار ہے۔لندن سے واپس آنے کے بعد اسے بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس کا مکان حکومت کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔اسے ملازمت بھی نہیں ملتی۔پاکستان میں اسے ۱۲۰۰ روپے ماہوار کی نوکری مل جاتی ہے۔ایک مرتبہ وہ کسی سرکاری کام کے سلسلے میں مشرقی

پاکستان آتا ہے تو یہاں اس کی ملاقات سرل سے ہوتی ہے جو اب بہت بڑا سرمایہ دار بن چکا ہے۔ چمپا فرانس اور لندن سے مختلف ڈگریاں حاصل کرتی ہے۔ نرملا ہندو عورت کی نمائندہ کردار ہے۔ وہ اپنی تقدیر کے آگے بے بس ہو جاتی ہے۔ نرملا کو گوتم سے محبت ہو جاتی ہے اور اسی جدائی میں اسے دق کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ وہ سینا ٹوریم میں داخل ہے جہاں گوتم عیادت کرتا ہے۔ کچھ عرصے بعد نرملا مر جاتی ہے۔

ناول کے آخر میں گوتم اسی ماحول میں نظر آتا ہے جو ناول شروع ہوتے وقت دکھایا گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کی کوٹھی میں واپس آتا ہے۔ جب وہ ہوا خوری کے لیے دریا پر جاتا ہے تو وہاں تنہائی محسوس کرتا ہے۔ وہ خالی الذہن ہو کر سوچنا چاہتا ہے بلکہ کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک خواہش جو ڈھائی ہزار سال پرانے گوتم نیلمبر میں موجود تھی وہ خواہش آج بھی اس کے ذہن میں موجزن ہے۔

> ''کاش نروان ممکن ہوتا، خوف تنہائی کا احساس، رنج نفرت، فرار کی خواہش وسعت اور اضافت کا تصور..... نروان جو زندگی ہے، موت ہے، سونے جاگنے، محبت، رحم اور لاتعلقی سے ماوراہے اور پھر بھی حقیقی ہے۔''(۵)

لیکن ناول کا خاتمہ حیرت انگیز طور پر قنوطیت اور مایوسی پر نہیں ہے بلکہ ہمت اور پر امیدی پر ہوتا ہے۔

> ''زمین تیری پہاڑیاں، برفانی پہاڑ اور جنگل مسکرا رہے ہیں۔ میں تیری سطح پر کھڑا ہوں۔ میں مغلوب نہیں ہوا۔ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا۔ مجھے زخم نہیں لگے۔ میں سالم ہوں۔ مجھے کوئی ختم نہ کر سکا۔''(۶)

اشتراکات:

۱۔ دونوں ناولوں میں ہیرو کا کردار مہاتما بدھ کی زندگی سے اخذ کیا گیا ہے۔ دونوں کرداروں کی طبیعت میں تجسس پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی پورے ناول میں (suffer) کرتے دکھائی دیتے ہیں اور نروان اور مُکتی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کرداروں کے مقاصد میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

۲۔ دونوں ناولوں کا انداز فلسفیانہ ہے۔ اس لیے یہ دونوں ناول عام قاری کی دلچسپی کا باعث نہیں ہو سکتے ہاں البتہ جو لوگ اس نوعیت کے ناول پڑھتے ہیں وہ ان کی سطحی معنویت سے تو متاثر بھی ہو سکتے ہیں اور لطف بھی لے سکتے ہیں مگر ان دونوں ناولوں کی گہرائی کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ روحانیت اور بدھ ازم وغیرہ کے بارے میں بنیادی علم رکھتے ہوں۔ بہر حال دونوں ناولوں میں روحانی اور دنیاوی زندگی کی کشمکش، صحیح راستے کا انتخاب، یہ وہ الجھنیں ہیں جن میں کبھی نہ کبھی انسان ضرور پڑتا ہے۔ خاص طور پر وہ جو مادیت پسند نہیں ہوتے۔

۳۔ دونوں ناولوں میں جو باتیں فلسفیانہ اور روحانی نقطۂ نظر سے بیان کی گئی ہیں ان میں ابتداء سے آخر تک اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ عقل اور دانش مندی کسی کو سکھائی نہیں جا سکتیں۔ دوسرا نروان کا تجربہ حاصل کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور ضروری نہیں کہ نروان کوئی چیز ہے بھی یا نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس فلسفیانہ بحث کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم بعض اوقات الفاظ کے کورکھ دھندے میں پڑے رہتے ہیں۔ الفاظ کے پیچھے ضروری نہیں کوئی معنویت بھی ہو۔ بعض اوقات لفظ محض لفظ ہوتے ہیں ان کے اندر کا خالی پن انسان کو الجھا سکتا ہے۔

۴۔ دونوں ہیرو اپنے استادوں اور مذہبی رہنماؤں کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے اپنے تجربات سے زیادہ سیکھتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کا یہ خیال ہے کہ تجربہ یا مکتی کسی کو سکھایا نہیں جا سکتا۔ یعنی جب انسان پر نروان کی گھڑی بیتتی ہے تو ان محسوسات کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ انھیں اپنے تجربات سے اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ نروان دنیا کو تیاگ دینے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسی دنیا میں رہنے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ہر مشکل کو برداشت کر کے آگے

بڑھنے سے نروان حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ زندگی خود پر جمود طاری کرنے کا نام نہیں بلکہ مقاصد آفرینی کا نام ہے۔

۵۔ دونوں ناولوں میں وقت ایک کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وقت کو ایک بہتا دریا کہا گیا ہے جو ہر وقت روانی میں رہتا ہے۔ دونوں ناولوں میں وقت کے حوالے سے فکری سطح بہت گہری ہے۔

۶۔ دونوں ناولوں کے ہیرو عشق کے جذبے سے بھی سرشار ہوتے ہیں۔ ''سدھارتھ'' کی ہیروئن کملا ایک طوائف ہے اور چمپا جو ''آگ کا دریا'' کی ہیروئن ہے وہ بھی ایک جنم میں چمپا بائی (طوائف) کے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ دونوں ہیرو دنیاوی عیش وعشرت میں بھی وقت گزارتے ہیں اور پھر جلد ہی اس سے بیزار بھی ہو جاتے ہیں۔ سدھارتھ جب گناہ سے بیزار ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس اپنے راستے کی طرف پلٹ آتا ہے۔ اسے اپنے اندر ''اُوم'' کی آواز آتی ہے۔ اس طرح وہ فطرت کی طرف راغب ہو کر خود آگہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ دوسری طرف گوتم بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ چمپا سے شدید محبت کے باوجود اس سے دور بھاگتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر عیش کو چکھتا ہے۔ اس میں ڈوبتا نہاتا اور پھر اس سے باہر نکل آتا ہے۔ وہ محبت کو قید سمجھتا ہے اور پھر آزادی کے لیے بھاگتا ہے اور جب محبت سے آزادی حاصل کر لیتا ہے تو سوچتا ہے۔

> ''آزادی کا مقصد کیا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کون آزاد ہے کون نہیں۔ ہری شنکر تم کو آزادی کی تلاش میں کیا ملا؟ آنند اسرار جو تم پر منکشف ہوئے وہ سوائے تمہارے کون جانے گا۔ ہم سب اپنے اپنے اسرار میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کر سکتے۔''(۷)

۷۔ سدھارتھ میں ہیرو کا دوست گووند ہے اور ''آگ کا دریا'' میں ہیرو گوتم کا دوست ہری شنکر ہے جو گوتم بدھ کے چیلے بن جاتے ہیں اور ہیرو کرداروں کے ساتھ فلسفے کے نقطۂ نظر سے بحث ومباحثہ کر کے ناول کے تھیم کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> ''ہری شنکر بدھ فلسفے کا نمائندہ ہے۔ ہمہ وقت سوچنا اس کے کردار کا بھی حصہ ہے۔ لیکن اس پر کرب کا وہ عالم نہیں جو گوتم کی ذات سے منسوب ہے۔ اگر وہ شانت نہیں تو زیادہ بے چین بھی نہیں۔''(۸)

۸۔ دونوں ناولوں میں روحانی سفر میں خود کو کھوجنے کے لیے مکالمہ نگاری سے بھی کام لیا گیا ہے۔ دونوں مصنفین نے مکالمہ نگاری کا سہارا لے کر بہت سی فلسفیانہ باتوں کی وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ کی ہے اور مکالمہ نگاری کے ذریعے ایسے روحانی سفر کی داستان پیش کی ہے جسے وہ کسی کردار کے ذریعے پیش نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً ''سدھارتھ'' میں مکالمہ نگاری کی مثال دیکھیں۔

> ''.....اور ساری آوازیں، ساری منزلیں، ساری مسرتیں، سارے دکھ، سارے سکھ، سب نیکیاں اور برائیاں، یہ سب مل کر ہی دنیا تھے۔ یہ سب مل کر واقعات کا بہاؤ، جیون دھارا اور جیون راگ تھے۔ جب سدھارتھ نے غور سے دریا کو سنا تو اسے یہ ہزار گیت والی راگنی سنائی دی۔''(۹)

''آگ کا دریا'' میں بھی مکالمہ نگاری کے ذریعے انسانی گفتگو اور انسانی طرز اظہار کے بے شمار نمونے ملتے ہیں۔ ناول کے اولین مکالمات ہی قاری کو بتا دیتے ہیں کہ مکالمہ صرف فرد کے احساس تنہائی کو دور کرنے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ زندگی کی جدلیت کا مظہر بھی ہے۔

> ''تم کون ہو بھائی'' نیچے سے کسی نے پوچھا۔
> ''میں ہوں'' گوتم نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔
> تمہارا کیا نام ہے''

''میں کا کوئی نام نہیں ہوتا''

''تفریق کے لیے نام ضروری ہے۔''

شراوستی کے جن پنڈتوں کے گھرانوں میں پیدا ہوا، وہاں دوسرے پنڈتوں سے پوچھ کر میرا نام گوتم رکھا گیا تھا۔''(۱۰)

دونوں ناولوں میں مکالمہ صرف زبان کی ایک جہت ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ معنی خیز کردار ادا کرتا ہے۔ وقت کے طوفانی بہاؤ اور زندگی کے اندھیرے میں مکالمہ ہی ایک ایسی شکل ہے جس کی مدہم، لرزتی روشنی میں فرد نہ صرف اردگرد کو دیکھتا ہے بلکہ اپنی اور دوسروں کی شناخت بھی کرواتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکالمہ نگاری دونوں ناولوں کی جان ہے۔

اختلافات:

۱۔ ناول ''سدھارتھ'' کا پلاٹ بالکل سادہ ہے۔ خط مستقیم کی طرح ایک کنارے سے شروع ہو کر دوسرے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں زیادہ تر بیانیہ انداز اپنایا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ مکالمے کی تکنیک کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس ناول کی روانی اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جو کہیں بھی ناول کی موضوعاتی ضرورت کے باعث بھاری پن پیدا نہیں ہونے دیتی۔ اس ناول میں اول سے آخر تک کشمکش کی کیفیت کہیں بھی قاری کی دلچسپی کو ختم نہیں ہونے دیتی۔ وہ کشمکش جو سدھارتھ کے ذہن میں شروع سے آخر تک جاری رہتی ہے، ایک تجسس اور تحیر کی فضا، جان لینے اور پا لینے کا سفر اس کا بنیادی عنصر بنتا ہے ہے جو قاری کو انجام تک مسحور کیے رکھتا ہے۔

''مہاتما بدھ کی تعلیمات بہت گہرائی رکھتی ہیں۔ بہت کچھ سکھاتی ہیں..... مگر ایک چیز ہے جو واضح اور قابل قدر تعلیم اپنے اندر نہیں رکھتی۔ اس میں وہ اسرار موجود نہیں جس کا تتھاگت نے بذات خود تجربہ حاصل کیا تھا۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں میں سے بس اسی نے..... یہی میں نے سوچا اور محسوس کیا..... اسی لیے میں اپنے راستے پر چل پڑا ہوں۔ کسی دوسرے اور بہتر عقیدے کی تلاش میں نہیں کہ میں جانتا ہوں اس سے بہتر کچھ نہیں بلکہ تمام عقائد اور تمام معلمین کو ترک کرنے کے لیے اور اپنے مقصد پر تنہا پہنچنے کے لیے یا مر جانے کے لیے۔''(۱۱)

دوسری طرف جب ہم ناول ''آگ کا دریا'' کے پلاٹ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ناول کے فن میں پلاٹ ایک انتہائی اہم جزو ہے۔ ناول میں فنکار اپنی تصنیف کو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان حصوں کو اس طرح جوڑتا ہے کہ ایک مخصوص فنی تعمیر کا احساس ہوتا ہے اور پلاٹ میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ''آگ کا دریا'' کے پلاٹ میں ربط نظر نہیں آتا۔ اس میں ''شعور کی رُو'' کے ٹکڑے ہیں جن کو مختلف اصولوں کے تحت جوڑا گیا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس ناول میں ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کو ایک وسیع کینوس پر پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے اس ناول کی وسعت کی وجہ سے اگرچہ کہیں کہیں اس کا پلاٹ متاثر بھی ہوا ہے مگر اس میں ہمیں کہیں بھی کوئی جھول نظر نہیں آتا ہے۔ آگ کا دریا واقعات، فکر و فلسفے سے متعلق لاتعداد جزئیات سے بھرپور ایک ایسے دریا کا منظر پیش کرتا ہے جس میں واقعات کا بہاؤ ایک مخصوص سمت میں بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں:

''اس وسیع ناول کی تعمیر و تنظیم نہایت بلند ذہنی سطح پر ہوئی ہے۔ ہزاروں سال پرانی ثقافت کی تصویریں فلمی مناظر کی طرح دکھائی گئی ہیں۔ لیکن اس کا جوڑ اس چابکدستی سے ملایا گیا ہے کہ تسلسل میں کہیں ضعف نہیں آتا۔ اس ناول کی خوبی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ شعور کی رُو کے مدہم استعمال، مختلف تکنیکوں کے بیانیہ میں ادغام، واحد متکلم کے مباحث و تبصروں اور اہم کرداروں، اندرون سے بلند ہونے والی آوازوں اور

ذات سے ہمکلامی کی گونجوں کو بڑے حسن اور سلیقے سے انھوں نے ماجرہ کی جدت آمیز اور قابل قبول فنی تشکیل کو گوتم نیلمبر کی سوچوں اور عمل کے حوالے سے ایک منفرد اور ماڈرن ناول کی ہیئت عطا کی ہے۔''(۱۲)

اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناول ''آگ کا دریا'' کی ضخامت نے اگر چہ کہیں کہیں ناول کے پلاٹ کو متاثر ضرور کیا ہے مگر پلاٹ کی یہی بے ربطی اس ناول کی خوبی بن کر ابھری ہے اور اس نے اس ناول کو اردو ادب کا ایک شاہکار ناول بنا دیا ہے۔

۲۔ ناول ''سدھارتھ'' میں چند ایک کردار ہیں جن کے گرد پورے ناول کی کہانی گھومتی ہے۔ کرداروں میں وہی لوگ سامنے آتے ہیں جن کا براہ راست سدھارتھ سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسے سدھارتھ کا باپ، اس کا دوست گووند، اس کی محبوبہ کملا اور اس کا مددگار واسودیو اور اس کا بیٹا۔ یہ تمام کردار مختصر ہونے کے باوجود پورے ناول پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں اور ناول نگار نے ان کا تعارف اس انداز میں کروایا ہے کہ تمام کردار اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت قاری کے سامنے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس ناول کے کردار متحرک اور ارتقا کرتے نظر آتے ہیں۔ ''سدھارتھ'' کے کرداروں کے چہروں پر تمانیت اور سکون نظر آتا ہے۔

دوسری طرف جب ہم ناول ''آگ کا دریا'' کے کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ قرۃ العین نے اپنے کرداروں کا پوری طرح سے تعارف نہیں کروایا۔ وہ سرسری طور پر کسی کردار کا ذکر کرتی ہیں اور آگے کی طرف بڑھ جاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کے کردار ایسے نہیں جن کو ہم پورے طور پر زندہ کہہ سکیں اور نہ کوئی کردار ارتقاء کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ چند افراد ضرور ہیں جو ادوار کے ساتھ ساتھ نام بدلتے جاتے ہیں اور ان کے ناموں کے کچھ حصے ان کے پرانے ناموں سے متعلق رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم ان کرداروں کو پہچان پاتے ہیں۔ ان کرداروں میں گوتم نیلمبر، ہری شنکر، چمپا، نرملا، کمال اور سرل شامل ہیں جو ہر بار ایک نئی شکل کے ساتھ سامنے آتے ہیں اور پھر معدوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کردار ہر بار کہانی کو ایک نیا رخ دے جاتے ہیں جس سے کہانی کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس ناول کے بعض کردار علامتی ہیں اور بعض عام زندگی کے مظہر ہیں۔ اس حوالے سے لطیف الزماں خان کہتے ہیں کہ:

''گوتم ناول کا اہم ترین کردار ہے۔ اہم ترین اس لیے کہ وہ انسان کی ابدیت کی علامت ہے۔ یہ کردار بقائے انسانی کی کوششوں کو بیان کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان فنا ہو جاتا ہے مگر زندگی تو پیہم رواں ہر دم رواں رہتی ہے۔ ہری شنکر ہندوستان کی نامیاتی تہذیب کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ درحقیقت بدھ فلسفے کا مظہر ہے۔ اکلیش ترک دنیا کی علامت ہے۔ کمال الدین ایک مورخ اور جنگجو ہے۔ جب ہندوستان تقسیم ہوتا ہے تو وہ ہجرت کر کے پاکستان آتا ہے اور چمپا سے اس کا عشق جبلت انسانی ہے۔..... قرۃ نے وجودِ انسانی کا ارتباط کہیں اشاراتی، کہیں استعاراتی، کہیں علامتی اور کہیں روایتی بنایا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اپنے فن سے شیفتگی اور اخلاص کا بلند ترین طرز عمل ایسا ہی ہوتا ہے۔ اچھے اور برے، گفتنی اور ناگفتنی واقعات کو بیان کرنے کے لیے ایسے ہی کرداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔''(۱۳)

اگر ہم لطیف الزماں خاں کی اس رائے کو مان بھی لیں تب بھی یہ بات ہمیں شدت سے محسوس ہوگی کہ اس ناول کے کردار اپنے اپنے دائروں میں ہی حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان دائروں سے باہر نہیں نکلتے۔ اسی وجہ سے یہ سارے کردار المیہ نظر آتے ہیں۔ اور ان کی پیچیدگیوں کی وجہ سے جنم لینے والے المیوں کو فلسفیانہ سہاروں سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''سدھارتھ'' کے کردار ''آگ کا دریا'' کے کرداروں کی نسبت زیادہ جاندار، مضبوط اور متحرک کردار ہیں جو آہستہ آہستہ وقت کے بہاؤ میں بہتے ہوئے اپنی منزل تک بڑے پرسکون انداز میں پہنچ جاتے ہیں۔

۳۔ دونوں ناولوں میں جب ہم ہیروئن کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ''آگ کا دریا'' میں چمپا جو ہیروئن ہے

کی شروع میں ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے اور آخر میں وہ لکھنؤ شہر میں چمپا بائی کے نام سے ہر دلعزیز ہے جو پاکستان بننے پر ہندوستان میں ہی رہ جاتی ہے۔ وہ قرۃ العین کے دوسرے ناولوں کی ہیروئنوں کی طرح جاذب نظر تو ضرور ہو جاتی ہے مگر اس کے کردار میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمارے اندر مخصوص جذبات، حسن یا عظمت کو ابھارے یا ہمارے ذہن پر کوئی ایسا تاثر چھوڑے جس سے وہ ہمیں یاد آئے۔

اس کے برعکس جب ہم ''سدھارتھ'' کی ہیروئن کملا کو دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ کملا اپنے مختصر ترین کردار کے باوجود ہر جگہ چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ ایک مغرور اور نسوانی فخر میں گرفتار عورت ہے جو حکومتوں کے تختے الٹ دینے پر قادر ہے۔ جس کا ذہن جس کا بدن اس کے اپنے اختیار میں ہے اور جس کا بہترین مصرف اسے معلوم ہے۔ وہ خود کو باہر رکھ کر کھیل کا مزا لیتی ہے حالانکہ وہ خود کھیل کا حصہ ہے۔ وہ خود پرستی میں مبتلا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ سدھارتھ جیسے دنیا تیاگ دینے والے انسان کو واپس دنیاداری کے راستے پر لانے والی کملا ہی تھی۔ جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ نسوانی کرداروں کے جائزے سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ ''سدھارتھ'' میں اگرچہ ایک نسوانی کردار ہے مگر وہ ''آگ کا دریا'' کے مقابلے میں بہت مضبوط کردار ہے اور ''آگ کا دریا'' کے تمام نسوانی کرداروں پر سبقت لے جاتا ہے۔

۴۔ ''سدھارتھ'' میں تاریخ کے صرف ایک حصے کو ناول کا پس منظر بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں مرکزی کردار ہر جگہ سامنے رہتے ہیں اور تاریخ سے ان کرداروں کا تعلق رکھا گیا ہے۔ ناول کی پوری کہانی مخصوص رجحانات اور تنوع کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے۔ اور ہیرو کا وجود تاریخ اور ان واقعات و رجحانات کو ایک اکائی کی شکل دیتا جاتا ہے۔ جبکہ ''آگ کا دریا'' کا تاریخ کے حوالے سے جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں طویل تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ''آگ کا دریا'' کے چار کردار گوتم، ہری شنکر، کمال اور سرل ایشلے برصغیر کی ماضی میں دور تک پھیلی ہوئی تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کے چار اہم ادوار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح قرۃ العین ان کے حوالے سے برصغیر کی صورتحال کو ایک دھارے کی شکل میں سامنے لا کر وحدت کے تاثر کو اجاگر کرتی ہیں۔ درحقیقت قرۃ العین حیدر نے انسانی عظمتوں کا سراغ اس کی تاریخ کے ذریعے ہی لگایا ہے۔ تاریخ انسان کو پیچھے مڑ کر دیکھنے اور اپنے پرکھوں کے افعال کے ادراک میں مدد دیتی ہے اور ناول نگار نے یہ بتایا ہے کہ کس طرح تاریخی عمل انسانی کردار و افعال پر اثر انداز ہو کر اس کے ذہن کو بدلتا ہے اور اسے کس طرح وہ حال سے مستقبل کی جانب دھکیلتا ہوا لے جاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اعجاز راہی لکھتے ہیں کہ:

> ''قرۃ العین حیدر نے برصغیر کے تہذیبی سفر کے حوالے سے انسانی عظمتوں کا کھوج لگایا ہے۔ قدیم دور کے گوتم نیلمبر سے جدید دور کے گوتم نیلمبر تک یہ سفر برصغیر کی ثقافتی، سیاسی اور طبقاتی جدوجہد کا دائرہ مکمل کرتا ہے۔''(۱۴)

''آگ کا دریا'' میں قراۃ العین نے جتنا بڑا دور لیا ہے اور اس کو جس خوبی سے سمیٹنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس سے پہلے بھی تاریخی ناول لکھے گئے مگر ''آگ کا دریا'' نے اردو ناول نگاروں کے لیے تاریخی حوالے سے نئی راہ کھول دی۔ اور اس ناول نے تاریخی اعتبار سے نئے آنے والے ناولوں کو بہت متاثر کیا۔ ''آگ کا دریا'' میں ہمیں ڈھائی ہزار سالہ تاریخی دور کا تجربہ ملتا ہے۔ جسے صرف قراۃ العین جیسی باشعور ناول نگار ہی برت سکتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ناول ''سدھارتھ'' پر سبقت لے جاتا ہے۔

۵۔ منظر نگاری کے حوالے سے بھی قرۃ العین حیدر کا ناول اپنی مثال آپ ہے۔ منظر نگاری میں ان کی یہ مہارت اس ناول میں پوری آب و تاب سے نظر آتی ہے۔ وہ کسی عمارت کی منظر کشی کر رہی ہوں یا کسی قدرتی منظر کی۔ ہر جگہ ایک ایک چیز کی تفصیل لکھتی ہیں۔ منظر کشی کرنے میں وہ جس طرح جزئیات نگاری سے کام لیتی ہیں اس سے تمام منظر قاری کی

آنکھوں کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔ ''آگ کا دریا'' میں منظر نگاری کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔

''گوتم نیلمبر نے چلتے چلتے ٹھٹھک کر پیچھے دیکھا راستے کی دھول بارش کی وجہ سے کم ہو چکی تھی۔ گو اس کے اپنے پاؤں مٹی سے اٹے تھے برسات کی وجہ سے گھاس اور درخت زمرد کے رنگ کے دکھلائی پڑ رہے تھے۔ اسوک کی نارنجی اور سرخ پھول گہری ہریالی میں تیزی سے جھلملاتے تھے۔ اور ہیرے کی ایسی جگمگاتی پانی کی لڑیاں گھاس پر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔''(۱۵)

دوسری طرف جب ہم ناول ''سدھارتھ'' میں منظر نگاری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ناول میں اردگرد کا منظر غائب ہے اور سدھارتھ جن لوگوں سے بات کرتا ہے وہی لوگ ناول کے کینوس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس ناول میں نہ تو تہذیب نظر آتی ہے اور نہ ہی اردگرد کے ماحول کی منظر کشی ہے۔ تمام مناظر زندگی کی ہلچل سے عاری نظر آتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ منظر کشی کے نقطۂ نظر سے بھی ''آگ کا دریا'' ''سدھارتھ'' پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ منظر نگاری کے جو نمونے قرۃ العین نے پیش کیے ہیں وہ ''سدھارتھ'' میں بالکل مفقود ہیں۔

۶۔ دونوں ناولوں میں محبت کے مختلف تجربات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ''آگ کا دریا'' میں محبت کے تعلقات کے تمام افسانوں کی نوعیت ٹوٹنے اور بکھرنے پر مبنی ہے۔ پہلے گوتم نیلمبر، چمپک رانی کو اپنا معروض بنانا چاہتا ہے اس سے عشق کرتا ہے لیکن وہ اس کی اور اپنی دونوں کی آزادی کا احترام کرتا ہے۔ اس لیے یہ رشتہ ناکامی پر ختم ہوتا ہے۔ راج کماری نرملا جو دل و جان سے گوتم پر فدا ہے اور اسے اپنے وجود کا حصہ بنانا چاہتی ہے اس سے بھی گوتم کا رشتہ قائم نہیں ہو پاتا اور نرملا جدائی کا روگ پال کر آخر کار دق کی مریض بن جاتی ہے اور جان دے دیتی ہے۔ اس کے بعد گوتم امبیکا کو پوری طرح اپناتا ہے مگر اپنے وجود کی آزادی کی خاطر سب کچھ تیاگ دیتا ہے۔ گوتم کی محبوبائیں مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہیں لیکن وہ کسی کو بھی اپنا نہیں پاتا۔ دوسری طرف جب ہم ''سدھارتھ'' کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ''سدھارتھ'' جس سے محبت کرتا ہے اسے اپناتا بھی ہے اور انسانی و جسمانی ضرورتوں سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ دل و جان سے کملا پر فدا ہے اور کملا کی محبت میں اپنے راستے اور منزل سے بھی کچھ دیر کے لیے غافل ہو جاتا ہے۔ کملا سے سدھارتھ کا ایک بیٹا بھی ہے جو اسے ایک نئے جذبے سے روشناس کرواتا ہے۔ سدھارتھ کا بیٹا گو چند دن تک اس کے ساتھ رہتا ہے مگر رشتوں کی پہچان اور کشش بہر حال وہی سدھارتھ کو محسوس کرواتا ہے۔ سدھارتھ جب کملا کو چھوڑ دیتا ہے تو کملا سدھارتھ کی خاطر سب کچھ تیاگ دیتی ہے اور گوتم بدھ کی چیلی بن جاتی ہے اور بالآخر اپنے محبوب کی بانہوں میں جان دے کر اپنی سچی محبت کا ثبوت پیش کر دیتی ہے۔ دونوں ناولوں کے ہیرو اپنے وجود کی آزادی کی خاطر اپنی محبت کو تیاگ دیتے ہیں مگر سدھارتھ محبت کو دوبارہ حاصل کر کے نروان حاصل کرتا ہے جب کہ گوتم سب کچھ تیاگ دینے کے بعد نروان کی منزل تک پہنچتا ہے۔ محبت کے معاملات میں دونوں کرداروں کے اپنے اپنے تجربات ہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔

۷۔ موت کے حوالے سے بھی دونوں ناولوں میں مختلف تجربات سامنے آتے ہیں۔ ''سدھارتھ'' میں کملا جو ہیروئن ہے وہ مرنے سے پہلے زندگی کے تمام عیش و عشرت کا مزہ چکھتی ہے۔ اسے محبوب کا وصل حاصل ہے اور وہ اپنی جان محبوب کی بانہوں میں ہی دیتی ہے۔ اسی وجہ سے مرتے وقت اس کے چہرے پر سکون کی لہر نظر آتی ہے۔ جب کہ ''آگ کا دریا'' میں موت ایک نئے تجرباتی انداز میں سامنے آتی ہے۔ وہ ہے نرملا کی موت۔ نرملا گوتم سے محبت کرتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ روگ اسے دق کا مریض بنا دیتا ہے۔ اور وہ سینی ٹوریم میں داخل ہو جاتی ہے۔ گوتم کو جب نرملا کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو وہ اس کی عیادت کے لیے جاتا ہے۔ اور نرملا کو شادی کی پیش کش کرتا ہے مگر نرملا اسے پوچ تو سکتی ہے مگر اس

کی اور اپنی آزادی ختم نہیں کر سکتی اس لیے انکار کر دیتی ہے اور کچھ عرصہ سینی ٹوریم میں رہنے کے بعد مر جاتی ہے۔

''ان سب چیزوں کے درمیان گھرے ہوئے جب کہ نرملا کا سامان اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اسے لگا گویا اس کی زندگی، ساری زندگی ایک بہت عظیم الشان کباڑی کی دکان ہے۔ یہ سب سامان فالتو ہے۔ ان سب چیزوں کو ذرا بیچ کر تو دیکھو! اپنی زندگی کو ذرا اس کباڑی کی مارکیٹ میں تو رکھ موت اس کی قیمت ہے۔''(۱۶)

نرملا کی موت اس کے باقی ساتھیوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ نرملا کی موت کے تصور سے اس کے سب ساتھی مایوسی کی اتھاگہرائیوں میں اتر جاتے ہیں اور اپنے اپنے فرسٹریشن میں عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔

''کون کہتا ہے موت ماورائی ہے۔''(۱۷)

''یعنی غور کیجئے کہ ہم دوسروں کی موت پر چھپکو پھپکو روتے ہیں اور پھر خود مر جاتے ہیں۔''(۱۸)

''اری نرملا کی بچی! کہاں گیا تیرا فلسفہ اور آئیڈیالوجی۔ مگر واقعہ صرف یہ ہے کہ سچ مچ سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔''(۱۹)

نرملا کی اہمیت اس کی موت کے بعد اس کے ساتھیوں اور اس کے محبوب کے دل میں اجاگر ہوتی ہے۔ اس طرح اس ناول میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان کو جو قدر و منزلت اس کی زندگی میں نہیں مل پاتی وہ موت کے بعد اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ موت کے اس نئے تجربے کے لحاظ سے بھی ہم ''آگ کا دریا'' کو سدھارتھ پر فوقیت دیں گے۔ جب کہ ''سدھارتھ'' میں صرف اس نقطے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کملا جب بدی کا پیکر تھی تو بدی زندگی تھی اور جب بدی (کملا) نیکی کے راستے پر چلتی ہے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور صرف نیکی ہی کہلاتی ہے۔

۸۔ ناول ''سدھارتھ'' کے آخری حصے میں واسودیو سدھارتھ کی مدد کرتا ہے جس سے اس کا خود آگہی اور حقیقت کی تلاش کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ سدھارتھ نروان تو کب کا حاصل کر چکا تھا مگر اسے اس سے آگہی نہیں ہوتی جس کا احساس اسے واسودیو کرواتا ہے۔ واسودیو جب پہلی مرتبہ سدھارتھ کو جنگل کے کنارے پہنچاتا ہے تو وہاں سے سدھارتھ زندگی کی طرف واپسی کا پہلا قدم اٹھاتا ہے یعنی کملا سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ دوسری مرتبہ جب سدھارتھ دنیا سے بے زار ہوتا ہے تو واسودیو اس کی توجہ وقت اور بہتے دریا کے ذریعے فطرت کی طرف کرواتا ہے جس سے سدھارتھ کو احساس ہوتا ہے کہ اصل زندگی دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے یعنی زندگی کو اس کی اصل شکل میں قبول کرنا ہی تکمیل ہے۔ دنیا کو اس کے بہاؤ، رنگ اور اصل شکل میں قبول کرنا ہی ''اوم'' ہے۔ سدھارتھ نے اپنے تجربات کو مثبت جانا اس نے اپنی زندگی سے اخذ کیا کہ کوئی شکل حتمی نہیں ہر چیز تبدیل ہوتی ہے اور تبدیل شدہ چیز اپنے اندر تکمیل کا عنصر لیے ہوئے ہوتی ہے۔

اسی طرح ''آگ کا دریا'' میں گوتم بھی زندگی کو مختلف حصوں میں گزارنے کے بعد جب ہوا خوری کے لیے دریا کے کنارے آتا ہے تو وہ بہتے ہوئے پانی کو دیکھتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ یہ بہتا ہوا پانی وقت کا دھارا ہے۔

اسی وقت کے دھارے میں جب وہ ماضی کو دیکھتا ہے تو خود کو اسی ماحول اور اسی جگہ محسوس کرتا ہے جب ناول کے آغاز میں باسٹھ فلسفوں کی یلغار میں گوتم کو تنہا بتایا گیا تھا۔ اس تنہائی میں جب ماضی کے تمام حالات و واقعات اس کی نظر سے گزرتے ہیں تو اسے احساس ہوتا ہے کہ انسان باسٹھ سے کہیں زیادہ فلسفوں کی زد میں ہے اور وقت اور تاریخ کی ضربوں سے انسان چور چور ہے۔ اس سب کے باوجود یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ دکھوں، تکلیفوں امیدی اور ناامیدی میں بھی اپنے لیے کلفت و راحت اور امید پیدا کرنے کی کوشش کرے اگر انسان ایسا کر لے تو اسے نروان حاصل ہو سکتا ہے۔ گوتم کی اس سوچ نے اسے

نیا عزم دیا اور اسے بتایا کہ حیات مسلسل ارتقاء کرنے اور مقاصد آفرینی کا نام ہے اگر انسان ایک جگہ رک جائے حرکت نہ کرے تو وہ کبھی بھی نروان حاصل نہیں کرسکتا۔ انسان کی بقا ہی مسلسل مقاصد آفرینی سے ہے۔

''زمین تیری پہاڑیاں، برفانی پہاڑ اور جنگل مسکرا رہے ہیں۔ میں تیری سطح پر کھڑا ہوں۔ میں مغلوب نہیں ہوا۔ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا۔ مجھے زخم نہیں لگے۔ میں سالم ہوں۔ مجھے کوئی ختم نہ کرسکا۔''(۲۰)

مجموعی جائزہ:

درج بالا اشتراکات اور اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم دونوں ناولوں کا مجموعی جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دونوں ناولوں کا موضوع فلسفیانہ ہے۔ دنیا بھر میں فلسفے کو بنیاد بنا کر بہت کم ناول لکھے گئے ہیں۔ اردو میں بھی ایسے ناولوں کی تعداد کم ہے۔

''سدھارتھ'' اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک معیاری ناول ہے۔ اس کی زبان میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ سادگی اور روانی کہیں بھی یہ احساس نہیں ہونے دیتی کہ یہ کسی ایسے باشندے کی تخلیق ہے جو اس زمین کا نہیں جس کی کہ یہ کہانی ہے۔ کہانی کا تحیر اس کی کشمکش یقیناً اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔ ''سدھارتھ'' میں بہت سی کمیوں اور کمزوریوں کو بھی محسوس کیا گیا ہے مگر اس کے باوجود یہ اپنے وقت کا ایک نہایت اچھا، کامیاب اور دلچسپ ناول ہے۔ اس ناول کی کامیابی کی دلیل یہ ہے کہ اسے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ مگر جب ہم اس ناول کا اردو ادب کے ناول ''آگ کا دریا'' سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بے شک یہ ناول اپنے وقت کا ایک کامیاب ترین ناول تھا مگر ''آگ کا دریا'' اپنی مخصوص خصوصیات، واقعات، تاریخیت' نئے رجحانات اور تکنیکوں کے باعث ''سدھارتھ'' سے بڑا ناول ہے۔ ''آگ کا دریا'' پر مختلف زاویوں سے مختلف ناقدین اور محققین نے روشنی ڈالی ہے اور اس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی ہے اور تقریباً سبھی ناقدین نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اس ناول نے اردو ناول کو ایک نیا موڑ دیا ہے اور اس کے اثرات کو کئی ناول نگاروں نے جذب کیا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر شمیم احمد لکھتے ہیں:۔

''جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ''آگ کا دریا'' نے ایک ایسی تخلیقی سرگرمی کو پیدا کیا جو اردو کے بہترین تخلیقی جوہر پر اثر انداز ہوئی جس نے ناول نگاری کو ایک نئی جہت اور نیا معیار عطا کیا گویا اسے قرۃ العین حیدر کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔''(۲۱)

مجموعی طور پر قرۃ العین حیدر کے ناول میں برصغیر کی پوری دنیا ملتی ہے۔ جس میں مختلف واقعات اور حادثات پیش آتے ہیں۔ جس کو اس کے وسیع کینوس کی بدولت اردو زبان کا ایک بڑا ناول کہا جاسکتا ہے۔ اس کا موضوع سماجی اور نفسیاتی عوامل کے بجائے زیادہ سیاسی اور تاریخی شعور پر استوار ہے۔ مصنفہ اپنی کہانی میں چھپے تاریخ کے اوراق پلٹتی جاتی ہیں اور ایک فرد کے بجائے پوری انسانیت کے جذبات کو محسوس کرتی ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جب کسی سماج کا مخصوص طرز عمل تاریخ کے ادوار سے گزرتا ہے تو اس میں نئی قوموں اور نئی تہذیبوں کے آنے سے تہہ داری اور تنوع پیدا ہونا لازم ہے۔

''آگ کا دریا'' میں ہر دور کے ادب، آرٹ، فلسفہ، مذہب، سیاست، اخلاقیات، اقتصادیات اور تاریخ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مصنفہ نے ناول میں اپنی فنی، فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اس ناول میں بہت سے چھوٹی موٹی کمزوریاں بھی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ناول مصنفہ کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ جو اردو ناول میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ جدید مغربی ناول سے قرۃ العین حیدر نے کئی چیزیں لی ہیں اور ان سب کے امتزاج سے انہوں نے اردو اسلوب اور اظہار کی جو نئی راہیں نکالی ہیں اور جو نئے تجربے کیے ہیں ان کی قدر و قیمت کو تسلیم نہ کرنا بددیانتی

ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری اس ناول کی بڑائی تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''آگ کا دریا'' مصنفہ کا شاہکار ہے۔ یہ اردو افسانے میں ایک نیا تجربہ اور اردو ناول کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''(۲۲)

ڈاکٹر مظفر حنفی لکھتے ہیں:۔

''بلاشک ''آگ کا دریا'' اپنی چھوٹی موٹی کمزوریوں کے باوجود اردو ناول کے میدان میں ایک عظیم کارنامہ ہے اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ''آگ کا دریا'' کے ردعمل میں ہمارے ادب میں کئی اور بڑے ناولوں کا اضافہ ہوا ہے۔''(۲۲)

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ''آگ کا دریا'' اپنے حسن و قبح کے تناظر میں ایک ایسا ناول ہے جو ہمارے ادب کی جان اور آبرو ہے جس نے ناول کی تخلیقی سرگرمیوں کو آگے بڑھایا اس لحاظ سے ہم اسے ایک رجحان ساز ناول بھی کہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ آصف فرخی، ''سدھارتھ''، قومی سین لاہور ۱۹۸۳ء

۲۔ قرۃ العین حیدر، ''آگ کا دریا''، مکتبہ اردو ادب، س ن، ص ۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۳۹۹ ۴۔ ایضاً، ص ۳۹۹

۵۔ ایضاً، ص ۸۲۷ ۶۔ ایضاً، ص ۸۳۷

۷۔ ایضاً، ص ۹۸ ۸۔ ایضاً، ص ۱۷

۹۔ آصف فرخی، ''سدھارتھ''، قومی سین لاہور ۱۹۸۳ء

۱۰۔ قرۃ العین حیدر، ''آگ کا دریا''، مکتبہ اردو ادب، س ن، ص ۲۴

۱۱۔ آصف فرخی، ''سدھارتھ''، قومی سین لاہور ۱۹۸۳ء

۱۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ''اردو ناول تاریخ و تنقید، میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۳۴۰

۱۳۔ لطیف الزماں خان ''قرۃ العین حیدر، خصوصی مطالعہ''، بیکن بکس ملتان، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۸

۱۴۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''آزادی کے بعد اردو ناول''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ص ۲۲۰

۱۵۔ لطیف الزماں خان ''قرۃ العین حیدر، خصوصی مطالعہ''، بیکن بکس ملتان، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۳۲۲

۱۶۔ قرۃ العین حیدر، ''آگ کا دریا''، مکتبہ اردو ادب، س ن، ص ۳۳۲

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۶۳ ۱۸۔ ایضاً، ص ۳۶۴

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۶۴ ۲۰۔ ایضاً، ص ۸۶۷

۲۱۔ ممتاز احمد خان، ''آزادی کے بعد اردو ناول''، ص ۲۳۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۳۲ ۲۳۔ ایضاً، ص ۲۳۳